مرزا بشیر الدین محمود کی تفسیر کبیر میں آیات معجزات کی تاویلات کا ناقدانہ جائزہ

Critical Analysis of distorts in verses about miracles from Tafsir Kabeer of Mirza Bashir ud Din Mahmood

ڈاکٹر محمد شاہد [1]

Abstract

"Tafsir Kabeer" is written by Mirza Bashir-ul-Din and published for many times in his life. He took the name "Tafsir Kabeer" from "Tafsir Kabeer" of Imam Razi. Qadiani Followers believe that this tafsir is stimulus from Allah. In this tafsir, he discussed many things in the light of lexicon and disaccorded from earlier Muslim Mofasirin.

In this way, he destorted the meaning of some verses from Holy Quran related to miracles of prophets by considering these verses as metaphores, simulations, inspairations, stimulus and allegoricle.

He also falsified the meanings of some verses from Holy Quran while saying that those verses were about himself, his sons and followers. He humiliated Hazrat Isa in tafsir of verse

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِياً

He denied Hazrat Isa's talking in early childhood and considered this event as false. In this way, many verses of Quran (some of these are about miracles) remain as transformed.

مرزا بشیر الدین محمود احمد کی تفسیر کبیر جوان کی زندگی میں ہی متفرق طور پر زیور طباعت سے آراستہ ہوئی جس میں ان کی نظر ثانی بھی شامل حال رہی سوائے ایک دو حصوں کے جن پر مرزا بشیر الدین محمود علالت کے باعث نظر ثانی نہ کر سکے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی اس تفسیر کا نام " تفسیر کبیر 'امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کے عرفی نام پر رکھا ہے۔

اس تفسیر کی پہلی جلد کتابی شکل میں 1940ء میں منظر عام پر آئی تھی (۱)۔ جو سورہ یونس سے سورہ کہف تک کے تفسیری نوٹوں پر مشتمل ہے۔ اس پر مرزا محمود کی طرف سے تفسیر کبیر کے متعلق چند کلمات تحریر ہیں جو چار صفحات پر محیط ہیں۔ موجودہ ایڈیشن میں اس تفسیر کو ترتیب کا رنگ دے کر نظارت اشاعت ربوہ والے منصہ ظہور پر لائے ہیں اس ایڈیشن کی دس جلدیں ہیں۔

[1] اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، بغداد الجدید کیمپس اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

قادیانیوں کے نزدیک یہ تفسیر بہت اہمیت کی حامل ہے اور اس کو الہامی قرار دیتے ہیں۔

اس میں گذشتہ تفاسیر اور مفسرین کے منہج سے ہٹ کر آیات معجزات میں تاویل کی گئی ہے۔

اس مقالہ میں صرف ان آیات کو زیر بحث لایا جائے گا جن کا تعلق معجزات سے ہے۔آیات کی تفصیل درج ذیل ہے:

{ فَقُلْنَا يَاآدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى}(۲)

{قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ}(الخ)(۳)۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں سورہ بقرہ، سورہ اعراف اور سورہ طہ میں مذکور ہے کہ وہ پہلے جنت میں مکین تھے پھر ان کو جنت سے زمین کی طرف اتارا گیا۔ان آیات میں جنت سے مراد کیا وہی جنت الخلد ہے جس کا قیامت میں متقین سے وعدہ کیا گیا ہے یا وہ زمین کا کوئی باغ تھا؟ اس کے بارے میں جمہور مفسرین اہل السنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ وہ جنت الخلد ہی ہے جبکہ معتزلہ اور قدریہ کا نظریہ یہ تھا کہ اس سے مراد زمین کا کوئی باغ ہے(۴)۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد دوسرا قول اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرین قیاس یہی ہے کہ آدم علیہ السلام کا مولد عراق کا علاقہ ہی تھا اور جس جنت کا ان کے متعلق ذکر آتا ہے وہ بھی اسی علاقہ کا کوئی مقام تھا جسے مقام کے آرام دہ ہونے اور اس اچھے نظام کی وجہ سے جو آدم نے قائم کیا جنت کہا گیا ہے(۵)۔

مرزا بشیر الدین محمود مزید لکھتے ہیں :

یہ خیال کہ آدم کو اس جنت میں رکھا گیا تھا جس میں نیک انسان بعد الموت جائیں گے بالبداہت باطل ہے(۶)۔

{إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ}(۷)

اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ کائنات کے اندر پہلے انسان اور اول البشر حضرت آدم علیہ السلام تھے ان سے پہلے انسان اور بشر نہ تھے اسی لیے ان کو ابو البشر کہا جاتا ہے(۸)۔

مرزا بشیر الدین کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام پہلے بشر اور انسان نہ تھے بلکہ ان سے پہلے بھی بشر موجود تھے۔اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش نطفہ سے ہوئی نہ کہ مٹی سے۔حضرت آدم علیہ السلام بن باپ کے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کے والدین تھے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

بشر کی پیدائش یکدم نہیں ہوئی اور آدم علیہ السلام سے اس کی ابتداء نہیں ہوئی بلکہ آدم علیہ السلام بشر کی اس حالت کے پہلے ظہور تھے جب سے وہ حقیقی طور پر انسان کہلانے کا مستحق ہوا اور شریعت کا حامل ہونے کے قابل ہوا اور اس وجہ سے گو آدم علیہ السلام روحانی لحاظ سے ابو البشر ہیں کیونکہ روحانی دنیا کی ابتداء ان سے ہوئی اور وہ پہلے ملہم انسان تھے مگر جسمانی لحاظ سے ضروری نہیں کہ وہ سب موجودہ انسانوں کے باپ ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ حصہ انسانوں کا ان دوسرے بشروں کی اولاد ہو جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے اور جوان پر ان کے زمانہ میں ایمان لائے یا ان کے زمانہ میں تو ایمان نہ لائے مگر بعد میں آہستہ آہستہ ایمان

لاتے رہے(۹)۔

{یاأَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِی خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیرًا وَنِسَاءً}(۱۰)

حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش کیسے ہوئی حضرت آدم علیہ السلام کی پسلیوں سے ہوئی یا ان کی پیدائش مستقل ہوئی تھی اس بارے میں اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی پسلیوں سے ہوئی۔جیسا کہ آیت وخلق منها زوجها سے صراحتا معلوم ہورہا ہے کہ اللہ تعالی نے تمام انسانوں کی پیدائش کی ابتداء ایک نفس سے کی اور پھر اس نفس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت کے ساتھ مرد وعورت کو پیدا کیا(۱۱)۔

مرزا بشیر الدین کے نزدیک حضرت حواء علیہا السلام کی پیدائش آدم علیہ السلام سے نہیں ہوئی تھی۔وہ کہتے ہیں۔

خلق منها زوجها اس نفس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور سورہ اعراف میں یہ الفاظ ہیں جعل منها زوجها اس نفس سے اس کا جوڑا بنایا۔ان حوالوں میں آدم کا کہیں ذکر نہیں ہے صرف یہ ذکر ہے کہ تم کو ہم نے ایک نفس سے پیدا کیا ہے پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا(۱۲)۔پس حق یہ ہے کہ نفس واحدہ سے اس جگہ پہلا بشر مراد نہیں اور نہ آدم علیہ السلام بلکہ اس سے صرف یہ مراد ہے کہ ایک ایک انسان سے بڑی بڑی اقوام پیدا ہو جاتی ہیں(۱۳)۔

مرزا بشیر الدین کچھ آگے جا کر لکھتے ہیں:

استوصوا بالنساء فان المرءة خلقت من ضلع اس حدیث میں آدم کی بیوی کا ذکر نہیں بلکہ عورت کا ذکر ہے اور ہر عورت کے پسلی سے پیدا ہونے کا بیان ہے اور ہر عورت کی پیدائش جس طرح ہوتی ہے اسے ہم سب لوگ جانتے ہیں پس مشاہدہ کے خلاف اس حدیث کے یہ معنی ہرگز نہیں کئے جاسکتے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوتی ہے(۱۴)۔خلاصہ یہ کہ حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آدم پہلے بشر تھے اور یہ کہ ان کے جسم سے ان کی بیوی پیدا کی گئی(۱۵)۔

{قَالَ یَا بُنَیَّ إِنِّی أَرَى فِی الْمَنَامِ أَنِّی أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ یَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِی إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِینَ}(۱۶)

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہونہار بیٹے اسماعیل کے سامنے خواب بیان کیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔اُس نے کہا اباجان! آپ کو جس کام کا حکم ہوتا ہے اُسے کر گزریئے میں ذبح ہونے پر صبر کروں گا۔جب دونوں باپ بیٹا فرمان خداوندی کے تابع ہو گئے اور باپ اپنے بیٹے کو الٹا لٹا کر ذبح کرنے لگا تو ہم نے اُن پر نظر عنایت کی اور کہا اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچا کر دیا۔اسکے بدلے میں ہم نے اس کو ایک بڑا ذبیح دیا اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم کے خواب دیکھنے اور ہو بہو اس پر عمل کرنے کا ذکر ہے اور خدا تعالی کی طرف سے ان کے اس فعل کی تصدیق فرمائی گئی۔جیسا کہ جملہ صدقت الرویا تو نے اپنا خواب سچا کر دیا سے مفہوم ہوتا ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک حضرت ابراہیم نے جو یہ خواب میں دیکھا تھا کہ وہ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں اس کی تعبیر یہی تھی کہ وہ انہیں ایک دن ایک غیر ذی زرع وادی میں چھوڑ جائیں گے۔ایسی جگہ پر چھوڑنا ان کو اپنے ہاتھ سے ذبح ہی کرنا تھا(۱۷)۔

{وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ}(۱۸)

اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کا ایک معجزہ بیان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے رب مجھ کو دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ جب میں نے تجھے وحی کے ذریعے بتادیا ہے کہ میں مردوں کو زندہ کروں گا تو کیا تیرا ایمان نہیں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار میرا ایمان تو ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ میرا اطمینان بڑھ جائے علم الیقین سے عین الیقین ہوجائے تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ تو چار پرندے لے ان کے ٹکڑے کر پھر چار پہاڑوں پر ان کے ٹکڑوں میں سے کچھ ٹکڑے ڈال دے پھر ان کو بلا تو وہ تیرے پاس جلدی جلدی آئیں گے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا ان کے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھ دیے اور جب ان کو بلایا تو وہ ٹکڑے آپس میں ملتے گئے اور مکمل پرندے بن گئے اور پھر وہ اڑتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے اللہ تعالی نے نظارہ دکھادیا کہ اس طرح جب آدمی مرجاتے ہیں اور ان کے اجزاء اگرچہ بکھر جاتے ہیں مگر جب میں ان کو بلاؤں گا تو وہ اسی طرح جڑ جائیں گے اور زندہ ہوجائیں گے۔

جمہور مفسرین نے اس واقعہ کو حقیقت پر محمول کیا ہے کہ حقیقی چار پرندے پکڑ اور ان کے ٹکڑے کر کے پہاڑ پر رکھ کر بلا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعی چار پرندے پکڑے اور ان کے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھ کر ان کو بلایا تو وہ اجزاء ملے اور پرندے بن کر ان کے پاس آ گئے(۱۹)۔

مرزا بشیر الدین کے نزدیک اس سے مراد ہے کہ اپنے چار بیٹوں کی تربیت کر، تا کہ وہ احیاء دین کا کام کریں۔چنانچہ وہ کہتے ہیں :

حقیقت یہ ہے کہ یہ ظاہری کلام نہیں بلکہ مجازی کلام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالی سے دعا کی کہ الٰہی احیاء موتی کا جو کام تو نے میرے سپرد کیا ہے اسے پورا کر کے دکھا اور مجھے بتا کہ میری قوم میں زندگی کی روح کس طرح پیدا ہوگی جبکہ میں بڈھا ہوں اور کام بہت اہم ہے اللہ تعالی نے فرمایا کہ جب ہم نے وعدہ کیا ہے تو یہ کام ہو کر رہے گا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ ہو کر تو ضرور رہے گا مگر میں اپنے اطمینان کیلئے پوچھتا ہوں کہ یہ مخالف حالات کس طرح بدلیں گے اللہ تعالی نے فرمایا تو چار پرندے لے کر سدھا اور ہر ایک کو پہاڑ پر رکھ دے پھر ان کو بلا اور دیکھ کہ وہ کس طرح تیری طرف دوڑے چلے آتے ہیں یعنی اپنی اولاد میں سے چار کی تربیت کر وہ تیری آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس احیاء کے کام کی تکمیل کریں گے یہ چار روحانی پرندے حضرت اسماعیل

،حضرت اسحاق ،حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام ہیں ان میں سے دو کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے براہ راست تربیت کی اور دو کی بالواسطہ۔ پہاڑ پر رکھنے کے معنی بھی یہی تھے کہ ان کی نہایت اعلیٰ تربیت کر کیونکہ وہ بہت بڑے درجے کے ہوں گے گویا پہاڑ پر رکھنے میں ان کے رفیع الدرجات ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ بلندیوں کی چوٹیوں تک جا پہنچیں گے۔اسی طرح چار پرندوں کو علیحدہ علیحدہ چار پہاڑوں پر رکھنے کے یہ معنی تھے کہ یہ احیاء چار علیحدہ علیحدہ وقتوں میں ہوگا غرض اس طرح احیاء قومی کا وہ نقشہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا انھیں بتادیا گیا۔

مرزا بشیر الدین آگے کہتے ہیں :اسی طرح بعد کے زمانہ کیلئے بھی اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی چار ترقیوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا تھا کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم کو میری طاقتوں پر ایمان نہیں آپ نے جواب دیا کہ ایمان تو ہے ولکن لیطمئن قلبی یہ زبان کا ایمان ہے میں دیکھتا ہوں کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اقرار کرنا پڑتا ہے کہ کرتے ہیں مگر دل کہتا ہے کہ یہ طاقت میری اولاد کی نسبت بھی استعمال ہو میں چاہتا ہوں کہ یہ نشان اپنے نفس میں بھی دیکھوں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمھاری قوم چار دفعہ مردہ ہوگی اور ہم اسے چار دفعہ زندہ کریں گے چنانچہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی اور یہ مردہ زندہ ہوا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی اور یہ مردہ زندہ ہوا پھر آنحضرت ﷺ کے ذریعے وہی آواز بلند ہوئی اور اس مردہ قوم کو زندگی ملی اور چوتھی بار حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کے ذریعے ابراہیمی آواز پھیلی اور وہی مردہ زندہ ہوا چار دفعہ ابراہیمی نسل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آوازیں دیں اور چاروں دفعہ وہ دوڑ کر جمع ہوئی پہلا پرندہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلایا اور اطمینان قلب حاصل کیا وہ موسوی امت تھی دوسرا پرندہ عیسوی امت تھی تیسرا پرندہ آنحضرت ﷺ کے جلالی ظہور کی حامل اور مظہر محمدی جماعت تھی اور چوتھا پرندہ آپ کے جمالی ظہور کی مظہر جماعت احمدیہ ہے (۲۰)۔

{قُلْنَا يَانَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ}(۲۱)

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے آگ کو ٹھنڈا کیا اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس آگ کے ٹھنڈا ہونے سے مراد یہ ہے کہ آگ بجھی نہیں تھی لیکن اس کی گرمائش ختم ہوگئی تھی (۲۲)۔

مرزا بشیر الدین کے نزدیک آگ کے ٹھنڈا ہونے سے مراد اس کا بجھ جانا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیبی سامان یعنی آندھی یا بارش وغیرہ سے آگ بجھادی گئی تھی اسی لیے اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اے آگ ٹھنڈی ہوجا (۲۳)۔

{ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ }(۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ جب لاٹھی پھینکتے تو وہ اللہ کے حکم سے اژدہا بن جاتی

قرآن کریم میں جا بجا اس معجزہ کا ذکر ہے (۲۵)۔

مرزا بشیر الدین کے نزدیک وہ لاٹھی حقیقت میں اژدہا نہیں بنتی بلکہ فرعون کے لشکر کو صرف ایسا محسوس ہوتا تھا۔ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سونٹے کا سانپ بن جانا درحقیقت ایک کشفی نظارہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی دکھا دیا (۲۶)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سونٹا تھا تو سونٹا ہی مگر فرعون اور اس کے درباریوں کو وہ ایک اژدہا کی شکل میں دکھایا گیا (۲۷)۔

مرزا بشیر الدین ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

فرعون مصر کو موسیٰ کا عصا ایک اژدہا کی صورت میں نظر آیا جسے دیکھ کر وہ کانپ گیا اور گو اس نے اسے ایک جسمانی سانپ ہی سمجھا مگر درحقیقت اس کی تعبیر یہ تھی کہ موسیٰ کی جماعت ایک دن فرعون اور اس کے تمام لاؤلشکر کو اژدہا بن کر کھا جائے گی (۲۸)۔

{فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ - فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ} (۲۹)

قرآن کریم میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے آتے ہوئے راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا ہوا تھا تو وہاں انھوں نے ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ محسوس کی ہے میں وہاں جاتا ہوں یا تو وہاں سے کوئی خبر لاؤں گا یا آگ کا کوئی شعلہ لے کر آؤں گا تاکہ تم آگ سینک سکو جب اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو آواز دی گئی کہ جو شخص اس آگ میں ہے اسے بھی برکت دی گئی ہے اور جو اس کے اردگرد ہے اس کو بھی برکت دی گئی ہے۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حقیقتاً ایک آگ دیکھی تھی (۳۰)۔

مرزا بشیر الدین محمود کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حقیقی آگ نہیں دیکھی تھی بلکہ ان کو کشفی نظارہ ہوا تھا۔ وہ کہتے ہیں:

چونکہ یہاں نارا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک روحانی نظارہ تھا جسمانی نظارہ نہیں تھا (۳۱)۔ پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے کشفی طور پر ایک آگ کا نظارہ دیکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نظارہ کے دکھانے سے خدا تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ میں اس آگ تک جاؤں سو میں اس آگ تک جاؤں گا۔ اور چونکہ وہ آگ ایک کشفی نظارہ تھا اور کشفی طور پر آگ دیکھنے سے مراد ہدایت ہوتی ہے اور ہدایت یا دیکھنے والے کیلئے مخصوص ہوتی ہے یا ساری قوم کیلئے عام ہوتی ہے اور ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ پتہ نہیں تھا کہ جو انکشاف مجھ پر ہونے والا ہے وہ میرے لئے مخصوص ہے یا میرے خاندان اور قوم کیلئے عام ہے اس لیے انھوں نے اپنے اہل سے کہا کہ اگر وہ ہدایت صرف میرے لیے مخصوص ہوئی تو میں اس کی خبر تمھیں آ کر سناؤں گا اور اگر وہ ہدایت ایسی ہوئی کہ مجھے دوسروں تک بھی پہنچانے کا حکم ہوا تو میں اس میں سے کوئی انگارہ تمھارے سینکنے کیلئے بھی لے آؤں گا یعنی کچھ تعلیم اس

میں سے تم کو بھی سناؤں گا تا کہ تم اس سے روحانی سردی دور کرو(۳۲)۔

مرزا بشیر الدین مزید لکھتے ہیں:

میرے نزدیک یہ سب معانی غلط ہیں اور صرف نار سے دھوکہ کھا کر کئے گئے ہیں چونکہ انھوں نے نار کو جسمانی نار سمجھا اس لیے وہ ان مشکلات میں گرفتار ہو گئے(۳۳)۔

{أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ}(۳۴)

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک یہ معجزہ بھی مذکور ہے کہ انھوں نے پتھر پر اپنا عصا مبارک مارا اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اس کے بارے میں جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ پانی پتھر سے ہی نکلا تھا(۳۵)۔

مرزا بشیر الدین کے نزدیک پانی پتھر سے نہیں نکلا تھا بلکہ وہ سطح زمین کے قریب تھا اس کے اوپر پتھر رکاوٹ بنا ہوا تھا اللہ تعالی نے ان کو بتادیا کہ یہاں پانی سطح کے قریب ہے لہذا یہاں لاٹھی مارو انھوں نے لاٹھی ماری تو وہ پتھر ٹوٹ گیا اور نیچے سے پانی بہہ نکلا یعنی پانی اسی وقت پیدا نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ پہلے ہی وہاں موجود تھا لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت کے صرف اتنے معنی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر سونٹا مارنے کا حکم دیا گیا اس سونٹے کے مارنے سے وہ پتھر ٹوٹ گیا اور اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے جن لوگوں کو پہاڑوں پر جانے کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ بعض جگہ پر پہاڑوں کی چوٹیوں کا برفوں کا پانی جو کہ زمین کی سطح کے نیچے بہہ رہا ہوتا ہے بعض دفعہ سطح زمین کے اتنے قریب آجاتا ہے کہ معمولی سوٹی مارنے سے ہی وہاں سے پانی نکل آتا ہے اور ایسے چشمے صرف پہاڑوں پر ہی نہیں پائے جاتے بعض دفعہ بیابانوں میں بھی خدا تعالی کے پیدا کردہ بعض طبعی قانونوں کے ماتحت سطح زمین کے قریب پانی آئے ہوئے ہوتے ہیں(۳۶)۔ اسی طرح کے کسی مقام کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالی نے الہام سے خبر دے دی جہاں پانی سب سے زیادہ سطح زمین کے قریب تھا اس کے اوپر ایک پتھر پڑا ہوا تھا اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس پتھر کو توڑ دو اس کے نیچے سے پانی نکل آئے گا چنانچہ انھوں نے پتھر توڑ دیا اور پانی نکل آیا(۳۷)۔

مرزا بشیر الدین محمود کے نزدیک اس واقعہ میں معجزہ صرف اس امر میں ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو اطلاع دے دی کہ زمین کے اس حصے میں پانی سطح کے قریب ہے یہاں عصا مارو گے تو پانی نکل آئے گا۔ چنانچہ مرزا بشیر الدین لکھتے ہیں:

معجزہ نہ اس میں ہے کہ پتھر میں سے پانی نکلا۔ نہ اس میں ہے کہ نئے سرے سے پانی پیدا کیا گیا معجزہ اس امر میں ہے کہ خدا تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الہام کے ساتھ خبر دی کہ فلاں پتھر کے نیچے پانی موجود ہے۔ پس نہ تو اس واقعہ کے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہے اور نہ قانون قدرت کے خلاف شکل دینے کی کوئی وجہ ہے(۳۸)۔

اگر معجزہ صرف یہی ہوتا کہ اللہ تعالی نے آپ کو اس کا علم دیا اور لاٹھی مارنے سے پانی کا نکلنا معجزہ نہ ہوتا تو قصہ یوں نہ ہوتا

کہ اے موسیٰ تو پتھر پر لاٹھی مار چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری اور اس سے چشمے پھوٹ پڑے بلکہ یوں ہوتا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ پانی سطح کے قریب ہے لہذا لاٹھی مارو۔ آیت کے طرز بیان سے ہی واضح ہوجاتا ہے کہ پتھر میں سے پانی کا نکلنا ہی معجزہ ہے۔

{فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ} (۳۹)

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک یہ معجزہ بھی مذکور ہے کہ انھوں سمندر پر عصا مبارک اللہ کے حکم سے مارا تو اس سے وہ پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی طرح ہوگیا۔

مرزا بشیر الدین محمود نے سمندر کے پھٹنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس وقت جزر کا وقت تھا اس لیے سمندر پھٹ گیا اور جب فرعون کا لشکر داخل ہوگیا تو مد کا وقت آیا جس سے سمندر مل گیا گویا کہ مرزا بشیر الدین نے اس کو مد وجزر پر محمول کیا ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود تفسیر ''فتح البیان'' کے حوالہ سے کہتے ہیں:

پرانے مفسرین نے اس واقعہ پر بعض عجیب وغریب قصے بیان کیے ہیں چنانچہ وہ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب سونٹا مارا تو سمندر بارہ جگہ سے پھٹ گیا تاکہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل اس میں سے علیحدہ علیحدہ گذر جائیں (۴۰)۔ مفسرین نے یہ قصہ اپنی عجوبہ پسند طبیعت کی تسکین کیلئے بیان کردیا (۴۱)۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایسے وقت میں سمندر کے سامنے پہنچایا جبکہ جزر کا وقت تھا چنانچہ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر سونٹا مارا ادھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت پانی گھٹنا شروع ہوگیا لیکن جب فرعون کا لشکر پہنچا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے اس خشک ٹکڑے کا اکثر حصہ طے کر چکے تھے فرعون نے ان کو پار ہوتے دیکھ کر جلدی سے اپنی رتھیں سمندر میں ڈال دیں مگر سمندر کی ریت اس کیلئے جان لیوا ثابت ہوئی اس کی رتھوں کے پہیئے ریت میں پھنسنے لگے جن کو نکالتے نکالتے اس قدر دیر ہوگئی کہ مد کا وقت آ گیا اور فرعون اپنے تمام لشکر کے ساتھ وہیں غرق ہوگیا (۴۲)۔

مرزا بشیر الدین محمود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس سمندر کا پھٹنا عصا کے مارنے کے بعد تھا۔ سوال یہ ہے کہ جب سمندر کا پھٹنا اور ملنا مد وجزر کی وجہ سے تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے کا کیا مقصد تھا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا بیان کرنا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا تو سمندر پھٹ گیا عصا مارنے کو سبب قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر مرزا بشیر الدین کی تاویل تسلیم کر لی جائے تو اس آیت کا مفہوم کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ مرزا بشیر الدین یہ کہتے ہیں کہ ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف جھیل تھی سمندر پیچھے ہٹ گیا جزر کی وجہ سے اور سمندر اور جھیل کے درمیان خشکی ہوگئی جس سے موسیٰ علیہ السلام گذرے اور یہ پانی پہاڑوں کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ جھیل کا تو کنارہ ہوتا ہے اور سمندر کا پانی تو نیچا ہوگیا تھا پہاڑ کیسے معلوم ہوسکتا ہے؟

یہ قصہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے جس میں سمند کے پھٹنے کی وجہ عصا کا مارنا ہے (۴۳)۔ مرزا بشیر الدین اس واقعہ میں تاویل کرتے ہیں۔ ان کی یہ تاویل حضرت ابن عباسؓ اور دیگر مفسرین کی تفسیر کے موافق نہیں ہے۔

{أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ}(۴۴)

قرآن کریم میں حضرت عزیر علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کی تفصیل تفاسیر میں دیکھی جاسکتی ہے کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سو سال کے بعد جب جئے ہیں تو شام کا وقت تھا خیال کیا کہ یہ وہی دن ہے تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ تم ایک سو سال کامل تک مردہ رہے ہو اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمھارا توشہ جو تمھارے ساتھ تھا باوجود سو سال گذر جانے کے بھی ویسا ہی ہے نہ سڑا نہ خراب ہوا ہے(۴۵)۔

مرزا بشیر الدین محمود کے نزدیک اللہ تعالی نے حضرت عزیر کو خواب میں سو سال تک مارے رکھا یعنی وہ ایک دن یا کچھ حصہ سوئے لیکن خواب میں دیکھا کہ میں ایک سو سال تک مرا رہا ہوں پھر میں اٹھ گیا ہوں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

اب میں اس واقعہ کی وہ حقیقت بیان کرتا ہوں جو میرے نزدیک درست ہے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ تو اس شخص کی طرف دیکھ جو ایک بستی یا گاؤں پر سے ایسی حالت میں کہ وہ اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا گذرا اور اس نے سوال کیا کہ الٰہی یہ بستی اپنی ویرانی کے بعد کب آباد ہوگی اس پر اللہ تعالی نے اسے سو سال تک مارے رکھا (یعنی خواب میں) اور پھر اسے اٹھایا اور اس سے پوچھا کہ تو کتنی دیر تک رہا ہے اس نے کہا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اللہ تعالی نے فرمایا یہ بات تو درست ہے لیکن اس کے علاوہ ہم تجھے ایک اور بات بھی بتاتے ہیں تو سو سال تک بھی رہا ہے تیری بات کے سچا ہونے کا تو ثبوت یہ ہے کہ تو اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ وہ سڑا نہیں لیکن میری بات کے سچا ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے تجھے کشفی حالت میں سو سال کا نظارہ دکھایا ہے اور جب یہ رؤیا پورا ہوگا اس وقت لوگوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تیرا خدا کے ساتھ سچا تعلق تھا جب اس پر یہ حقیقت روشن ہوگئی تو اس نے کہا میں ایمان لاتا ہوں کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے آگے یہ کچھ بھی مشکل نہیں کہ وہ ایسی اجڑی ہوئی بستی کو اپنے فضل سے پھر دوبارہ آباد کردے(۴۶)۔

ایک اور جگہ مرزا بشیر الدین محمود لکھتے ہیں:

یعنی کشفی رنگ میں انھیں ایسا محسوس ہوا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اور سو سال کے بعد پھر زندہ ہوئے ہیں اور خوابوں میں ایسا ہونا کوئی تعجب انگیز امر نہیں انسان خواب میں مرتا بھی ہے اور مختلف قسم کے نظارے بھی دیکھتا ہے(۴۷)۔ جب وہ یہ نظارہ دیکھ چکے تو ان کو اٹھایا گیا یعنی ان کی کشفی حالت جاتی رہی(۴۸)۔

مرزا بشیر الدین کہتے ہیں:

میرے نزدیک اگر یہ واقعہ اسی طرح ہوا ہو جس طرح مفسرین بیان کرتے ہیں تو خود اس آیت کے مختلف ٹکڑے اس بیان کو باطل قرار دیتے ہیں(۴۹)۔ مفسرین نے اس واقعہ کو جس رنگ میں پیش کیا ہے وہ درست نہیں(۵۰)۔

مرزا بشیر الدین کے نزدیک مفسرین کی تفسیر کہ حضرت عزیر علیہ السلام پر حقیقی موت طاری رہی یہ غلط ہے۔ صحابہ تابعین اور جمہور مفسرین نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے اور قرآن کریم کی آیات کا ظاہر بھی اسی پر دال ہے اور ظاہر قرآن کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا اس وقت درست ہوتا ہے جب اس پر قرآن یا حدیث سے کوئی دلیل ہو اور یہاں تو صحابہ کے آثار بھی قرآن کریم کے ظاہر کی تائید کرتے ہیں۔ مرزا بشیر الدین کی تاویل کے مطابق اگر یہ حالت خواب کی ہوتی تو ان آیات میں کوئی نہ کوئی لفظ اس کے خواب ہونے پر دلالت کرتا کہ یہ قصہ حضرت عزیر علیہ السلام کے خواب کا ہے نیز اگر یہ قصہ خواب کا ہوتا تو اس کو بطور معجزہ کے بیان کرنا درست نہ ہوتا کیونکہ ایسا خواب تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح ان کا سوال تھا کہ اللہ تعالی اس کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا تو اس کے جواب میں خواب دکھانا کافی محسوس نہیں ہوتا کیونکہ اس بستی کا ویران ہونا خواب میں نہیں دیکھا تھا۔

{وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ وَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ}(۵۱)

اللہ تعالی نے حضرت داود علیہ السلام کو زمین میں خلیفہ بنایا تھا ان کیلئے لوہا کو نرم کیا تھا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی بے شمار احسانات کیے اور ان کو عظیم نعمتیں عطا کیں نبوت ولایت کے ساتھ ساتھ عظیم سلطنت، جنات کا تابع ہونا، ہوا کا تابع ہونا، پرندوں کی بولی کا سکھانا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں سے خطاب کر کے تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالی نے پرندوں کی بولی بھی سکھائی ہے۔ اس آیت میں پرندوں سے مراد حقیقی پرندے ہیں یا مجازی پرندے ہیں؟ قرآن کریم کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے حقیقی پرندے مراد ہیں اور حقیقی پرندوں کی بولی ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کو سکھائی گئی تھی۔ جمہور مفسرین نے اس کی یہی تفسیر کی ہے(۵۲)۔

مرزا بشیر الدین کہتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ایک استعارہ اور مجاز ہے جس کو لوگوں نے نہ سمجھا اور وہ صحیح راستہ سے بھٹک کر دور از کار بحثوں میں الجھ کر رہ گئے (۵۳)۔ مفسرین نے **منطق الطیر** کے یہ معنی کیے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کبوتروں تیتروں چڑیوں اور بٹیروں وغیرہ کی زبان سکھائی گئی تھی اور وہ ان کی بولی کو اسی طرح سمجھ لیتے تھے جس طرح ایک انسان کی گفتگو کو دوسرا انسان سمجھ لیتا ہے(۵۴)۔

مرزا بشیر الدین محمود آگے کہتے ہیں:

طیر عربی زبان میں اڑنے والی چیز کو کہتے ہیں اور استعارۃ اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو عالم روحانی کی فضاؤں میں پرواز کرتے اور خدا تعالی کے برگزیدہ اور اس کے محبوب ہوتے ہیں (۵۵)۔ طیر سے مراد جسمانی پرندے نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالی کی طرف پرواز کرنے والے ہیں ان برگزیدہ لوگوں کو استعارۃ اس لیے بھی پرندہ کہا جاتا ہے کہ پرندہ آسمان کی طرف اڑتا ہے اور علم سماوی آسمان سے نیچے کی طرف اترتے ہیں اور جب کوئی چیز اوپر سے نیچے کی طرف آ رہی ہوگی تو وہ سب سے پہلے اسی کو ملے گی جو اوپر پرواز کر رہا ہوگا(۵۶)۔ غرض طیر کے اس مفہوم کو مد نظر رکھتے ہوئے **علمنا منطق الطیر** کے یہ معنی ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ

السلام نے لوگوں سے کہا کہ اے لوگو! مجھے بھی وہ بولی سکھائی گئی ہے جو بلندی کی طرف پرواز کرنے والے لوگوں کو سکھائی جاتی ہے یعنی نبیوں کے معارف اور حقائق (۵۷)۔

{وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ - لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ - فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ}(۵۸)

قرآن کریم نے سورہ نمل میں بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں پرندے بھی تھے اور ایک ہدہد پرندہ بھی تھا۔ مفسرین کے نزدیک اس سے حقیقی ہدہد پرندہ مراد ہے۔

مرزا بشیر الدین کہتے ہیں:

مفسرین خیال کرتے ہیں کہ سچ مچ کے پرندے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے اور لشکر کا ایک سردار ہدہد پرندہ تھا جس کو چھوٹے بچے بھی غلیلوں سے مار لیتے ہیں اس زبردست لشکر کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام یمن کا ملک فتح کرنے کیلئے نکلے تھے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہ قصہ ہدہد کو سردار ثابت نہیں کرتا بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نعوذ باللہ بے وقوف ثابت کرتا ہے ۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے نبی بے وقوف نہیں ہوا کرتے ۔ یمن کا ملک فتح کرنے کیلئے کبوتر، فاختہ، چڑیاں، ہدہد، بٹیر اور تلیئر لے کر نکلنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا ایسے لشکروں کو فتح کرنے کیلئے بادشاہ کی فوجوں کو نکلنے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ ایسے لشکروں کے آنے کی خبر سن کر تو سارے شہر کی گلیوں میں سے بچے اپنی غلیلیں لے کر نکل پڑیں گے اور سارے شہر کیلئے عید کا دن آ جائے گا اور خوب پرندوں کا گوشت کھایا جائے گا آخر یہ جنگ ہونے لگی تھی یا چڑیماروں کا مظاہرہ ہوا تھا (۵۹)۔

نیز مرزا بشیر الدین محمود کہتے ہیں:

قرآن کریم میں جو ہدہد کہا گیا ہے وہ ھدد کا معرب ہے اور اس سے مراد ادومی خاندان کا کوئی شہزادہ ہے جو آپ کے فوجی سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ یہ ادومی خاندان حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت میں بستا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے خاندان کا رقیب تھا اس قوم کے سردار کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہ پایا تو سمجھا کہ یہ رقیب قبیلہ کا سردار ہے ممکن ہے کہ کسی شرارت کی نیت سے دشمن کے ملک میں چلا گیا ہو اور اس پر ان کو غصہ آ گیا لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ہدہد عرب قبیلہ کا کوئی سردار ہو (۶۰)۔

مفسرین نے یہ دو باتیں نہیں کیں۔ مفسرین نے تو یہ کہا ہے کہ پرندے حضرت سلیمان کے لشکر پر سایہ کرنے کیلئے تھے نہ کہ جنگ کرنے کیلئے نیز ان کے لشکر میں انسانوں کی فوج بھی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

{وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ}(۶۱)۔

اور سلیمان کے پاس اس کے لشکر جن اور انسان اور پرندے جمع کیے جاتے پھر انکی جماعتیں بنائی جاتیں۔

جنگ کرنے کیلئے انسانوں کی فوج تھی نہ کہ پرندوں کے جھنڈ۔ پرندے جنگ کرنے کیلئے تھے ہی نہیں تو ہدہد پرندے کو جنگی لشکر کا سردار قرار دینا درست نہیں معلوم ہوتا۔

{وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ}(۶۲)

قرآن کریم میں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بھی ذکر ہے جس کو قرآن کریم نے معجزہ قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اونٹنی بطور معجزہ کے پہاڑ سے اللہ تعالی نے پیدا کی تھی (۶۳)۔

مرزا بشیر الدین محمود کہتے ہیں:

صالح کی اونٹنی مدت سے انسانی قوت متخیلہ کیلئے ایک کھیل بن رہی ہے مفسرین نے ہر قسم کی روایات اس کی متعلق جمع کردی ہیں جن میں یہاں تک بیان ہوا ہے کہ حضرت صالح نے کفار کے مطالبہ پر دعا کر کے پہاڑ کے پیٹ سے ایک اونٹنی پیدا کی تھی اور جب وہ پیدا ہوئی اس وقت وہ حاملہ بھی تھی اور پھر فوراً اس کے بچہ بھی پیدا ہو گیا اور اسی قسم کی بے سروپا روایات جو عربوں میں مشہور تھیں انھوں نے تفسیروں میں نقل کردی ہیں اور یہ نہیں خیال کیا کہ ناواقف لوگوں پر ان روایات کا کیا اثر پڑے گا حقیقت یہ ہے کہ اونٹنی کی پیدائش کے معجزانہ ہونے کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے (۶۴)۔

یہ روایت صحابہ و تابعین سے منقول ہے۔ مرزا بشیر الدین کا یہ کہنا کہ اونٹنی کی پیدائش کا معجزانہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں، درست نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس کو ناقۃ اللہ کہنا ہی دلیل ہے کہ اس کی پیدائش طبعی طریقے سے ہٹ کر ہوئی تھی ورنہ اس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نہ کی جاتی۔ ورنہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انھوں نے معجزہ مانگا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام نے کیا معجزہ پیش کیا؟ صحابہ و تابعین سے یہی منقول ہے کہ پہاڑ سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ مرزا بشیر الدین نے اس کو بے سروپا روایت کہا ہے۔ لیکن مرزا بشیر الدین کے نزدیک وہ نشانی اونٹنی کی آزادی تھی یعنی یہ کہ اس اونٹنی پر حضرت صالح علیہ السلام سوار ہو کر تمھیں تبلیغ کرتے ہیں تم اس اونٹنی کو پانی پینے سے نہ روکو اور حضرت صالح علیہ السلام کو تبلیغ کرنے سے نہ روکو (۶۵)۔

مفسرین نے اس آیت کی یہ تاویل نہیں کی۔

{وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ}(۶۶)

{تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ}(۶۷)

{قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا - وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا - وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا - وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا - ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ}(۶۸)

قرآن کریم میں واضح مذکور ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے بچپن میں اپنی ماں کی گود میں کلام کر کے اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی صفائی و پاکیزگی کی شہادت تھی۔

مرزا بشیر الدین محمود کے نزدیک حضرت عیسی علیہ السلام نے بچپن میں کلام نہیں کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں:

اگر مہد سے مراد بچپن کا زمانہ ہی لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ حضرت مسیح بھی دودھ پیتے بچے تھے کہ آپ نے یہ کلام کیا تو ان آیات میں جس قدر باتیں انھوں نے بیان کی ہیں وہ ساری کی ساری اس وقت جھوٹی بنتی ہیں (٦٩)۔

مرزا بشیر الدین محمود مزید لکھتے ہیں:

حضرت عیسی علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو حضرت مریم ان کو لے کر علاقہ چھوڑ کر چلی گئیں جب وہ بڑے ہو گئے تو حضرت مریم ان کو لے کر واپس اپنے علاقہ میں آئیں۔ حضرت مریم تو بھاگیں مگر وہ رشتہ دار جو اس کے شریک تھے انھوں نے اس واقعہ کو یاد رکھا اور جب آپ واپس پہنچیں اور انھوں نے دیکھا کہ وہی بچہ آ گیا ہے جس کی خبر مشہور ہوئی تھی تو انھوں نے حضرت مریم کو طعنہ دیا۔ فاشارت الیہِ ان کے طعنہ پر حضرت مریم شرما گئیں اور انھوں نے حضرت مسیح کی طرف اشارہ کر دیا مگر وہ بچہ اب جوان ہو کر خدا تعالی کا نبی بن چکا تھا اس نے کہا تم کیا بکواس کرتے ہو انی عبد اللہِ آتانی الکتاب و جعلنی نبیا میں خدا تعالی کی صفات کو دنیا میں ظاہر کرنے والا ہوں میں خدا تعالی کے اخلاق کو دنیا میں قائم کرنے والا ہوں خدا نے مجھے کتاب دی ہے اور خدا نے مجھے نبی بنایا ہے کیا ایسی اولاد حرام کی اولاد ہو سکتی ہے (٧٠)۔

مرزا بشیر الدین محمود یہ بھی کہتے ہیں:

اب اگر دودھ پیتا بچہ ایسا کہتا ہے تو وہ یقینا جھوٹ بولتا ہے کوئی معجزہ نہیں دکھاتا بلکہ اس کی اپنی حالت یہ تھی کہ ابھی اس کو طہارت بھی اس کی ماں کرواتی تھی وہ چوستا تھا ماں کا پستان اور کہتا تھا کہ میں عبداللہ ہوں کیا عبداللہ کیلئے جائز ہے کہ وہ اپنی ماں کا پستان پکڑ کر چوسنا شروع کر دے۔ یہ عجیب نظارہ ہوگا کہ ادھر وہ کہتا ہوگا انی عبد اللہِ اور پھر ماں کی طرف منہ کر کے اس کا پستان چوسنے لگ جاتا ہوگا گویا فعل کرتا ہے بچہ والا اور دعوی کرتا ہے بڑی مقرب اور پاکیزہ انسانوں والا اور پھر جو کچھ کہتا ہے محض جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) کہتا ہے میں اللہ کا عبد ہوں اور اس کی عبادت کرتا ہوں حالانکہ وہ اس وقت عبادت کرتا ہی نہیں تھا بلکہ اگر وہ اس وقت اپنے اس دعوی کے مطابق نماز پڑھنی شروع کر دیتا تو اس کی ماں اسے پھینک کر چلی جاتی اور شاید وہ سارا دن پاخانہ میں لتھڑا رہتا ہے۔ پھر کہتا ہے اتنی الکتاب اس نے مجھے کتاب دی ہے سوال یہ ہے کہ اس وقت خدا تعالی نے اسے کون سی کتاب دی تھی؟ پھر کہتا ہے و جعلنی نبیا اس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ اسی طرح یہ کہتا ہے و جعلنی مبارکا این ما کنت اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں چلنا آتا نہیں ماں گود میں اٹھائے پھرتی ہے اور کہتا ہے کہ اینما کنت جہاں کہیں بھی میں جاؤں خدا تعالی کی برکت میرے ساتھ ہے۔ واوصانی بالصلاۃ اور اس نے مجھے نماز کا حکم دیا ہے حالانکہ طہارت بھی کوئی دوسرا کراتا تھا اور نماز پڑھنی آتی ہی نہیں تھی والزکوۃ اور اس نے مجھے زکوۃ کا حکم دیا ہے حالانکہ اس کے پوتڑے بھی اس کی ماں بناتی تھی اور کہتا یہ ہے کہ مجھے خدا نے زکوۃ دینے کا حکم دیا ہے وبرا بوالدتی اور میں اپنی ماں کا بڑا فرماں بردار ہوں حالانکہ ماں کی کیا فرمانبرداری کرنی تھی ماں تو اسے اپنا خون چوسا رہی تھی اور اپنی گود میں اٹھائے پھرتی تھی اور راتوں کو اس کیلئے جاگتی تھی و لم یجعلنی جبارا شقیا اور اس نے مجھے جبار اور شقی نہیں بنایا حالانکہ اس وقت اس نے جبار کیا ہونا تھا چٹکی کاٹنے سے وہ رونے لگ جاتا تھا۔ غرض اگر یہ درست ہے کہ انھوں نے

بچپن میں کلام کیا تو یہ جتنی باتیں ہیں سب کی سب جھوٹ ہو جاتی ہیں (۷۱)۔

تفسیر جلالین میں فی المهد کا معنی طفل کیا گیا ہے (۷۲) امام بخاری کی الجامع الصحیح میں موجود ایک روایت میں یہ ذکر ہے کہ تین بچوں نے گود میں کلام کیا ہے جن میں ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام، دوسرے وہ بچہ جس نے ایک عبادت گزار شخص جریج کی براءت کی گواہی دی اور تیسرے بنی اسرائیل کا ایک بچہ جس کی ماں نے ایک گھڑ سوار کو دیکھ کر اسکے لیے دعا کی تھی کہ اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا بنا۔ بچے نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنا۔ اور ایک باندی کے بارے میں جس کو چوری اور زنا کے الزام میں پتھر مارے جا رہے تھے کو دیکھ کر کہا اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنا۔ بچے نے کہا کہ اے اللہ مجھے اس جیسا بنا۔ ماں نے وجہ پوچھی تو بچے نے کہا کہ گھڑ سوار ظالم اور باندی بے قصور ہے (۷۳) ان آیات میں برگزیدہ ہونا یا عبادت کرنا، کتاب، نبوت، برکت کا ملنا، نماز و زکوۃ کی ادائیگی اور جبار و شقی کا نہ بننا مستقبل کے اعتبار سے ہے۔ جس چیز کا وقوع یقینی ہو اس کو بھی ماضی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسے اقتربت الساعة و انشق القمر۔

مرزا بشیر الدین محمود نے حضرت عیسی علیہ السلام کے بچپن میں کلام کرنے کو تسلیم نہیں کیا بلکہ ان کی تحریر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ حالانکہ فی المهد کے الفاظ صراحتاً دلالت کرتے ہیں کہ انہوں نے بچپن میں کلام کیا۔

{أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ}(۷۴)

{وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي}(۷۵)

قرآن کریم میں حضرت عیسی علیہ السلام کے معجزات میں ایک یہ معجزہ بھی مذکور ہے کہ وہ مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالی کے حکم سے پرندے بن کر اڑ جاتے تھے۔

مرزا بشیر الدین محمود اس معجزہ میں تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے {وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ} اس آیت کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کا یہ کہنا نہایت تعجب انگیز ہے کہ حضرت مسیح پرندے پیدا کر دیا کرتے تھے قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ سارے معبود مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اور ہمارے مفسر فرماتے ہیں کہ اکیلے مسیح نے بہت سے پرندے پیدا کیے تھے (۷۶)۔

مرزا بشیر الدین نے جس آیت سے استدلال کیا ہے وہ بتوں کے بارے میں ہے نیز اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی کے حکم کے بغیر یہ معبود ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اور حضرت عیسی علیہ السلام جتنے معجزات دکھایا کرتے تھے وہ سب اللہ تعالی کے حکم سے دکھاتے تھے چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں فیکون طیرا باذن اللہ پس وہ اللہ کے حکم سے پرندے ہو جاتے تھے۔ اس معجزے میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

{اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ}(۷۷)

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ شق قمر کا ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اشارہ

کرنے سے چاند حقیقی معنوں میں پھٹ گیا تھا۔

مرزا بشیر الدین محمود اس کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کہ چاند حقیقت میں نہیں پھٹا تھا بلکہ لوگوں کو یہ سب کچھ کشفی طور پر نظر آیا تھا اور نہ چاند جسمانی طور اپنی اصلی حالت میں رہا تھا۔ چنانچہ وہ ''تاریخ فرشتہ'' کے حوالہ سے کہتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں انشقاق قمر کا جو معجزہ ظاہر ہوا وہ بھی ایک کشفی نظارہ تھا جو وسیع کر دیا گیا اور نہ صرف مکہ کے کچھ لوگوں کو نظر آیا بلکہ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے ہندوستان کے ایک راجہ کو بھی نظر آ گیا اور وہ مسلمان ہو گیا مفسرین نے چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھا اس لیے ان کا ذہن اس طرف چلا گیا کہ چاند واقعہ میں جسمانی طور پر پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا(۷۸)۔ چاند تو اپنی جگہ پر ہی رہا تھا مگر کشف میں یہ دکھایا گیا کہ وہ پھٹ گیا ہے(۷۹)۔ پس جب رسول کریم ﷺ کو کشفی طور پر یہ نظارہ دکھایا گیا کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ہے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اب کفار عرب کی تباہی کا وقت آ پہنچا ہے چونکہ رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ پر ایک لمبے عرصے سے مظالم ڈھائے جا رہے تھے اس لیے اللہ تعالی نے آپ کو بشارت دی کہ اب اسلام کی ترقی کا زمانہ آ گیا ہے اور یہ نظارہ نہ صرف آپ کو دکھایا گیا بلکہ کفار کو بھی اس نظارہ میں شامل کر لیا گیا تا کہ وہ بھی اس بات کو سمجھ لیں کہ اب کفر کے مٹنے کے دن آ گئے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ واقعہ میں خدا تعالی کے سچے رسول ہیں(۸۰)۔

مرزا بشیر الدین کے نزدیک چاند کا پھٹنا روحانی طور پر تھا نہ کہ جسمانی طور پر۔ کفار کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہمیں روحانی اور کشفی طور پر چاند کو ٹکڑے کر کے دکھا دیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہمیں حقیقت میں چاند کے جسم کو دو ٹکڑوں میں کر کے دکھا دیں اسی لیے وہ باہر سے آنے والوں سے بھی پوچھتے تھے کہ کیا تم نے بھی چاند کو دو ٹکڑوں میں پھٹا ہوا دیکھا ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہو لیکن دنیا کے تمام لوگوں پر تو یہ جادو نہیں کر سکتے اس لیے انھوں نے باہر سے آنے والوں سے پوچھا۔ مرزا بشیر الدین کی اس تاویل کو لیا جائے تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ ان کا مطالبہ پورا نہ کر سکے تھے۔

{أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ}(۸۱)

رسول اللہ ﷺ کا زندگی میں معجزانہ طور پر کئی بار شق صدر ہوا جس کا سورۃ الم نشرح میں اشارہ ہے جس پر تمام مفسرین و سیرت نگار متفق ہیں۔

مرزا بشیر الدین کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا شق صدر ہوا تو ہے لیکن کشفی حالت میں ہوا ہے جسمانی اور حسی طور پر نہیں ہوا، جیسے آدمی خواب میں دیکھتا ہے کہ میرا سینہ چاک کیا گیا ہے میرا دل نکالا گیا ہے حالانکہ حقیقت میں نکالا نہیں جاتا بالکل اسی طرح آپ ﷺ کو کشف ہوا کہ دو فرشتوں نے میرا سینہ چاک کیا ہے اور اس سے دل نکال کے دھویا ہے وغیرہ یعنی یہ سب کچھ کشفی حالت میں تھا حقیقت میں آپ ﷺ کا سینہ مبارک شق نہیں کیا گیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

پس جس حد تک اس واقعہ کو کشفی ماننے کا تعلق ہے ہمیں اس کی صحت سے ہرگز انکار نہیں لیکن جس حد تک اس واقعہ کو مادی قرار دینے کا

سوال ہے ہمارے نزدیک یہ بات عقل کے خلاف ہے(۸۲)۔

{سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} (۸۳)

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے معراج و اسراء کے واقعہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اسراء اور معراج جسمانی تھا۔ حضرت ابن عباسؓ قول بھی یہی ہے(۸۴)۔

مرزا بشیر الدین کا موقف یہ ہے کہ اسراء اور معراج دونوں علیحدہ واقعات ہیں ایک ہی رات میں دونوں پیش نہیں آئے نیز یہ اسراء اور معراج جسمانی نہیں ہوا بلکہ وہ روحانی تھا۔

مرزا بشیر الدین محمود کہتے ہیں انھیں (اسراء اور معراج کو) ایک واقعہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا اور حق یہی ہے کہ معراج کا واقعہ اور ہے اور بیت المقدس کی طرف جانے کا واقعہ اور ہے(۸۵)۔ خلاصہ یہ کہ معراج اور اسراء دو الگ الگ واقعات ہیں (۸۶)۔

مرزا بشیر الدین مزید کہتے ہیں:

اب میں اسراء کے متعلق جو کچھ قرآن کریم اور علوم روحانیہ سے سمجھتا ہوں بیان کرتا ہوں میرے نزدیک اسراء بیت المقدس ایک لطیف کشف تھا(۸۷)۔

{وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا} (۸۸)

قرآن کریم میں جس ذوالقرنین کا واقعہ درج ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے کئی صدیاں پہلے گذر چکا ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود اس ذوالقرنین سے مرزا قادیانی کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ذوالقرنین کا ذکر اس جگہ اس لئے کیا گیا ہے تا کہ اس خبر کو بطور پیشگوئی بیان کر کے ایک دوسرے ذوالقرنین کی خبر دی جاسکے جو فارسی الاصل ہوگا اور یاجوج ماجوج کا مقابلہ کر کے اس کے زور کو توڑیگا اور اس طرح پہلے ذوالقرنین پر سے الزام کو دور کرے گا"(۸۹)۔

{وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ} (۹۰)

قرآن کریم میں قرب قیامت میں دابۃ الارض کے خروج کا ذکر ہے مفسرین نے اس کی وضاحت کی ہے کہ وہ عجیب الخلقت جانور ہوگا جو لوگوں سے کلام کرے گا(۹۱)۔

مرزا بشیر الدین نے تکلم کا ترجمہ کاٹنے کے ساتھ کیا ہے اور اس دابۃ سے مراد طاعون کا کیڑا لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

اور جب ان روحانی مردوں اور بہروں اور اندھوں کے خلاف خدا تعالی کا فتوی جاری ہوجائے گا تو آسمان سے ان کی سزا کا

فیصلہ نافذ ہو جائے گا تو اللہ تعالی زمین میں سے ایک کیڑا نکالے گا جو ان کو کاٹے گا اور یہ عذاب ان پر اس وجہ سے آئیگا کہ وہ لوگ ہمارے نشانات پر یقین نہیں رکھتے تھے (۹۲)۔

مرزا بشیر الدین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دابۃ الارض جس کے خروج کی خبر دی گئی ہے وہ درحقیقت طاعون کا ہی مرض ہے جو حضرت بانی سلسلہ کے زمانہ میں پھیلا اور جس سے لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن گئے چونکہ یہ مرض ایک کیڑے سے پیدا ہوتا ہے جو زمین سے انسان کے جسم میں داخل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی گردن یا بن ران میں ایک خطرناک قسم کا پھوڑا ابھی نکلتا ہے جو مہلک ہوتا ہے اس لیے رسول کریم ﷺ نے اسے دابۃ الارض بھی قرار دیا (۹۳)۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتب میں یہ بھی لکھا ہے کہ دابۃ الارض کے متعلق اللہ تعالی کی طرف سے میرے دل میں یہ ڈالا گیا ہے کہ اس سے طاعون مراد ہے (۹۴)۔

خلاصہ کلام:

اس تفسیر کو دلکش انداز، سلاست بیانی، اور علمی پیرایہ سے مزین کیا گیا ہے۔

آیات، احادیث، اقوال صحابہؓ و اقوال تابعین سے صرف نظر کرتے ہوئے بعض آیات معجزات کی تفسیر کے لیے لغت کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

آیات معجزات میں تاویل کرتے ہوئے ان کو کشفی و روحانی نظارے، مجازات، استعارات، تخیلات، محسوسات اور الہامات قرار دیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،ادارہ نظارت اشاعت ربوہ، ج 1،عرض ناشر از سید عبدالحیٔ۔

۲۔طٰہٰ :117۔

۳۔طٰہٰ :123۔

۴۔قرطبی،محمد بن احمد،الجامع لاحکام القرآن،دارالکتب المصریہ قاہرہ، 302/1۔

۵۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،335/1۔

۶۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،336/1۔

۷۔آل عمران :59۔

۸۔رازی،محمد بن عمر،مفاتیح الغیب،داراحیار التراث العربی بیروت،199/8۔

۹۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر، 294/1۔

۱۰۔النساء :1۔

۱۱۔ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،تفسیر القرآن العظیم۔دارطیبہ للنشر والتوزیع بیروت، 181/2۔

۱۲۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر، 302/1۔

۱۳۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر، 302/1۔

۱۴۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر، 303/1۔

۱۵۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر، 303/1۔

۱۶۔الصافات :102۔

۱۷۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر، 486/3۔

۱۸۔البقرۃ :260۔

۱۹۔رازی،مفاتیح الغیب،37/7،38/7۔

۲۰۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،602/2۔

۲۱۔الأنبیاء :69۔

۲۲۔رازی،مفاتیح الغیب، 159/22۔

۲۳۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،531/5۔

۲۴۔الشعراء :32۔

۲۵۔ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،408/3۔

۲۶۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،110/7۔

۲۷۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،111/7۔

۲۸۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،118/7۔
۲۹۔القصص: 29، 30۔
۳۰۔رازی،مفاتیح الغیب، 16/22۔
۳۱۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر، 346/7۔
۳۲۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر، 346/7۔
۳۳۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،348/7۔
۳۴۔الأعراف :160۔
۳۵۔ابن أبي حاتم،تفسیر القرآن الكريم،مكتبة نزار مصطفى الباز -المملكة العربية السعودية،الطبعة: الثالثة 1419 -ھ،1589/5۔
۳۶۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،473/1۔
۳۷۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،473/1۔
۳۸۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،473/1۔
۳۹۔الشعراء :63۔
۴۰۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،150/7۔
۴۱۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،150/7۔
۴۲۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،150/7۔
۴۳۔رازی،مفاتیح الغیب،507/24۔
۴۴۔البقرۃ:259۔
۴۵۔ابن کثیر اسماعیل بن عمر،مترجم محمد جوناگڑھی،تفسیر ابن کثیر،شمع بک ایجنسی یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور 335/1۔
۴۶۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،596/2۔
۴۷۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،598/2
۴۸۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،599/2۔
۴۹۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،595/2۔
۵۰۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،596/2۔
۵۱۔النمل:16۔
۵۲۔رازی،مفاتیح الغیب، 547/24۔
۵۳۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،356/7۔
۵۴۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،354/7۔
۵۵۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،356/7۔
۵۶۔بشیرالدین محمود احمد،تفسیر کبیر،357/7۔

۵۷۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،357/7۔

۵۸۔النمل 20، :22 ۔

۵۹۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،370/7۔

۶۰۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،374/7۔

۶۱۔النمل:17۔

۶۲۔الأعراف:73۔

۶۳۔زمخشری،محمود بن عمرو(م538ھ)تفسیر الزمخشری الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل دار الکتاب العربی بیروت، 120/2۔

۶۴۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،214/3،215/3۔

۶۵۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،214/3،215/3۔

۶۶۔آل عمران :46۔

۶۷۔المائدۃ :110۔

۶۸۔مریم :30،34 ۔

۶۹۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر 198/5۔

۷۰۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر 201/5۔

۷۱۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،198/5،199/5۔

۷۲۔محلی،سیوطی،محمد بن احمد،عبدالرحمٰن بن ابی بکر،تفسیر الجلالین،ط ا،دار الحدیث قاہرہ۔ص160۔

۷۳۔بخاری،محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی،488/1۔

۷۴۔آل عمران :49۔

۷۵۔المائدۃ :110۔

۷۶۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر 96/6۔

۷۷۔القمر :1۔

۷۸۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،111/7۔

۷۹۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر،111/7۔

۸۰۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر 112/7۔

۸۱۔الشرح :1۔

۸۲۔بشیر الدین محمود احمد،تفسیر کبیر 133/9۔

۸۳۔ال إسراء :1۔

۸۴-حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى (وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ) قَالَ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ (وَالشَّجَرَةَ

الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ) قَالَ هِيَ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ (الجامع الصحیح للبخاری، 550/1، حدیث نمبر 3599)

۸۵۔ بشیر الدین محمود احمد، تفسیر کبیر، 284/4۔

۸۶۔ بشیر الدین محمود احمد، تفسیر کبیر 284/4۔

۸۷۔ بشیر الدین محمود احمد، تفسیر کبیر 292/4۔

۸۸۔ الکہف :83۔

۸۹۔ بشیر الدین محمود احمد، تفسیر کبیر، 494/4۔

۹۰۔ النمل :82۔

۹۱۔ طبری، محمد بن جریر (المتوفی:310ھ)، جامع البیان فی تأویل القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ: الأولی، 2000م، 499/19۔

۹۲۔ بشیر الدین محمود احمد، تفسیر کبیر، 444/7۔

۹۳۔ بشیر الدین محمود احمد، تفسیر کبیر 444/7۔

۹۴۔ بشیر الدین محمود احمد، تفسیر کبیر 448/7۔